اصلاح معاشرہ سب سے ضروری ہے۔

اعلیٰ، حسین اخلاق ہی معاشرے کا حسن ہیں۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 9 / دسمبر 1994ء بمقام مسجد فضل لندن برطانیہ)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور انور نے فرمایا:۔

حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کے ارشادات کی روشنی میں جماعت کی تربیت کی جو میں کوشش کر رہا ہوں اسی سلسلے کا آج کا خطبہ بھی ہے اور بعض احادیث کے حوالے سے معاشرے میں موجود خرابیوں کو دور کرنے کی سعی کی جائے گی۔ اللہ دلوں کو توفیق بخشے کہ ان عظیم نصائح کو جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے سینے میں پھوٹیں اور پہلے اس سے نور بن کر آسمان سے اتری تھیں۔ ان نصائح کی روشنی میں اپنے سینوں کی ظلمات کو دور کر سکیں۔ یہ جنگ روشنی اور اندھیرے کی جنگ ہے اور قرآن کریم اس مضمون کو اس طرح بیان فرماتا ہے جہاں فرمایا جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ وہاں یہ مضمون ہے کہ جب صداقت کی روشنی آتی ہے تو جھوٹ کے اندھیرے بھاگ جاتے ہیں۔ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ان اندھیروں کے مقدر میں بھاگنے کے سوا ہے ہی کچھ نہیں۔ لیکن اندھیرے موجود ہیں نور آ جائے تو سوال یہ ہے کہ جھوٹا کون ہے؟ وہ سینے جھوٹے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ ہم نے نور مصطفویؐ کو سینے میں داخل تو کیا تھا مگر اندھیرے باقی رہے۔ لازماً وہ لوگ جھوٹے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہمارے اندر قرآن کی نصائح داخل ہوئیں، حدیث کی نصائح داخل ہوئیں اور پھر بھی وہ اسی طرح کے اسی طرح رہے جیسے پہلے تھے۔ پس اصل میں وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ والی

بات سچی ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوا کرتیں دل اندھے ہوتے ہیں۔ روشن آنکھ بظاہر دیکھتی رہتی ہے لیکن اس روشنی کا مفہوم دل کو سمجھ نہیں آتا۔ پس اندھے دلوں کے اندھیرے زائل اور باطل نہیں ہوا کرتے وہ اسی طرح باقی رہتے ہیں۔ پس اگر دل کو درست نہیں کریں گے تو ان نصائح کا کچھ بھی فائدہ نہیں۔ اندھے دلوں پر یہ نصائح پڑتی ہیں لیکن روشنی نہیں پہنچاتیں اور بظاہر آنکھ دیکھ بھی رہی ہے صاحب عقل، صاحب شعور لوگ دکھائی دیتے ہیں، تعلیم یافتہ بھی ہوتے ہیں ان میں سے، بے تعلیم بھی لیکن سمجھ دار اور پھر بھی نصیحت سنتے ہیں اور اثر نہیں پڑتا۔ تو ان کی بات میں کر رہا ہوں ان کے لئے ہمیں دعا بھی کرنی چاہئے اور سمجھانے کی اس طرح کوشش کرنی چاہئے جیسے جھنجھوڑ جھنجھوڑ کے کسی کو جگایا جا رہا ہو۔ تعجب ہوتا ہے کہ بعض دفعہ اتنی مرتبہ نصائح کی جاتی ہیں۔ بعض دفعہ بعض جماعتوں کو مخاطب کر کے کہ دیکھیں آپ میں یہ کمزوری ہے ٹھیک کریں ورنہ آپ کا ایمان ضائع ہو جائے گا اور آپ کو جو خدا نے توفیق دی ماحول میں تبدیلی پیدا کرنے کی، اس سے محروم رہیں گے اور ان لوگوں کا گناہ بھی آپ کے سر ہوگا جو آپ کے اندرونی جھگڑوں کی وجہ سے احمدیت کے فیض سے محروم رہ گئے۔ بہت لوگ سنتے ہیں اور عمل کرتے ہیں۔ کچھ ایسے ہیں جو گانٹھوں کی طرح پڑے رہتے ہیں، کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔ اس وقت قرآن کریم کی اس آیت کا مفہوم سمجھ آتا ہے کہ آنکھیں اندھیں نہیں ہوا کرتیں، دل اندھے ہو جاتے ہیں۔ پس اللہ ہی ہے جو اندھے دلوں کو بھی توفیق بخش سکتا ہے کہ جو کچھ وہ دیکھیں وہ دل کی آنکھ سے بھی دیکھ رہے ہوں اور جب دل کی آنکھ سے محمد مصطفی ﷺ کے نور کو دیکھیں تو لازماً انسانی دلوں میں پاک تبدیلیاں پیدا ہوں گی۔

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے قرض سے متعلق بھی مختلف پہلوؤں سے نصیحت فرمائی ہے۔ اب بہت سے جھگڑے ایسے ہیں جن کا قرضوں سے تعلق ہے اور قرضوں کا جو معاملہ ہے وہ سب سے زیادہ پیچیدہ ہو جاتا ہے کیونکہ نیتیں لکھی نہیں جاتیں اور ہر شخص اپنی نیتوں کو مختلف بیان کرتا ہے۔ مثلاً بعض لوگ کہتے ہیں اس نے ہم سے قرض لیا تھا وہ واپس نہیں کر رہا اور جب بات ٹٹولی جاتی ہے تو پتا چلتا ہے اس قرض کے ساتھ منافع کے نام پر کچھ سود بھی وابستہ تھا اور جب سود ساتھ شامل ہو گیا تو اس کو قرض کہنا ہی ناجائز ہے۔ یہ تو فاسد سودا ہے اور پھر جب تحقیق مزید کی جاتی ہے تو بعض دفعہ پتا چلتا ہے کہ تین لاکھ قرض لیا تھا، پینتالیس ہزار واپس کر بیٹھا ہے، مطالبہ تین لاکھ اور کچھ اور کا

ابھی باقی ہے کیونکہ وہ درحقیقت منافع کے نام پر سود خوری تھی۔ اگر اس کو واقعۃً دیانت داری سے تجارتی قرضہ سمجھتے تھے یا سمجھتے ہیں تو اس کا لازمی نتیجہ نکلے گا کہ وہ شخص جو تقریباً کنگال ہوا بیٹھا ہے وہ ان کا دیندار ہی نہیں بنے گا کیونکہ تجارت کے معاملات اور ہیں اور سود کے معاملات اور ہیں۔ اگر آپ منافع کہنے پر مصر ہیں تو جس شخص کے پاس اپنی رقم منافع اور تجارت کے لئے لگائی تھی اگر اس کا مال ڈوب گیا ہے تو آپ کا بھی ڈوب گیا ہے، وہ الگ اوپر کھڑا نہیں رہا اس کے ساتھ ہی ڈوبا ہے وہ بھی، اس لئے وہ دین دار ہی نہیں بنتا۔ اسی لئے دونوں طرف پاؤں رکھنے کی کوشش کر کے اپنی دیانتداری کے حوالوں کے ساتھ ہم نے بڑی محنت سے، حق حلال کی کمائی کی تھی ہماری جو یہ شخص ظالم لے کے بیٹھ گیا ہے۔ تو ظالم سے پوچھتے ہیں تو پتا چلتا ہے کہ اتنا وہ سود دے بیٹھا ہے منافع کے نام پر اور ابھی پوری رقم اور اس کے اوپر مطالبے جاری ہیں۔ تو میں ایسے لوگوں کو کہا کرتا ہوں کہ قضاء میں جاؤ اور قضاء سے فیصلہ کرواؤ کہ یہ کیا چیز تھی۔ اگر تم مصر ہو کہ یہ تجارت تھی تو لازماً تمہیں اس نقصان میں شریک ہونا پڑے گا جس کو تم کہتے ہو اس نے قرض لیا تھا کیونکہ پھر تجارتی قرضے میں نفع نقصان کا انسان ذمہ دار ہوتا ہے اور اگر یہ سود تھا تو یہ حرام کیا ہے اور زیادہ سے زیادہ تمہیں اصل زر دلوایا جاسکتا ہے لیکن چونکہ قرآن کریم فرماتا ہے کہ اصل زر تک معاملہ پھر رہے گا اس سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔ لیکن جس کو تم نے منافع کے نام پر لیا تھا وہ اصل زر کی واپسی شمار ہوگی۔ تو اس قسم کے جھگڑے جو نیتوں کی خرابیوں سے تعلق رکھتے ہیں تحریر میں نہیں آرہے ہوتے ان سے بہت نقصان پہنچے ہیں اور جہاں تک عام روزمرہ کا دستور ہے جس شخص میں قرض کی ادائیگی کی توفیق ہے اسے ضرور قرض ادا کرنا چاہئے اور لیت ولعل کرنا اور ٹالنا یہ بہت بڑے گناہ کی بات ہے اور اس سے ساری سوسائٹی میں ضرورت مند مصیبت میں مبتلا ہوتے ہیں کیونکہ یہ سوسائٹی کا اعتماد ہے جس کے نتیجے میں معاملات میں سہولت پیدا ہوتی ہے۔ اگر ایک سوسائٹی کے متعلق یقین ہے کہ یہاں قرضے واپس کئے جائیں گے، حسب توفیق واپس کئے جائیں گے اور سوسائٹی کا نام نیک ہو جائے تو پھر بڑی سہولت اور آسانی کے ساتھ غریبوں کی ضرورتیں پوری ہوتی رہتی ہیں اور وہ ضرور واپس کرتے ہیں اور اس میں امارت اور غربت کا فرق نہیں ہے، دل کی شرافت کا فرق ہے۔

بعض ایسے غریب لوگ ہیں اور ایسی غریب قومیں ہیں جن کا بمشکل گزارہ ہو رہا ہوتا ہے

لیکن جب بھی ان کو قرضہ دیا جاتا ہے ان میں سے کسی کو، وہ اپنے وعدے کے مطابق واپس کرتے ہیں خواہ ان کو اپنی تجارت بیچنی پڑے۔ اب غانا کا معاملہ ہے ابھی دو دن ہوئے ہیں میرے پاس ایک معاملہ پیش ہوا غانا اور بعض غریب افریقن ملکوں میں ہم نے یہ سکیم شروع کی ہوئی ہے کہ جن لوگوں کو پاؤں پر کھڑا کرنا ہے ان کو پاؤں پر کھڑا کرنے کے لئے تجارتی قرضہ دیتے ہیں اور سہولت دیتے ہیں کہ اپنی مرضی بتاؤ کہ کب تک واپس کرسکو گے۔ تو ایک شخص جس کو قرضہ دیا گیا تھا اس کی مدت واپسی کی آ گئی اس نے ایک ایک پائی واپس کی لیکن ساتھ یہ لکھا کہ میں نے واپس کر دیا ہے لیکن میری تجارت کو یہ روپیہ نکالنے کی وجہ سے ایسا دھکا لگا ہے کہ پھر مجھے اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا مشکل ہو گیا ہے۔ تو میں نے اسی وقت ان کو وہ سہولت دوبارہ دلوادی کیونکہ جو شرافت ہے یہ جب بولتی ہے تو اثر رکھتی ہے۔ ایک دیانت دار کی بات میں بڑی طاقت پیدا ہو جاتی ہے اگر وہ نہ دیتا اور ٹالتا رہتا جیسا کہ ہمارے ملک میں اکثر پاکستان میں خصوصیت سے اور ہندوستان میں بھی عموماً یہ بات پائی جاتی ہے ، ہندوستان میں عموماً میں نے اس لئے کہا ہے کہ مجھے ذاتی طور پر علم ہے لیکن پاکستان تو میں جانتا ہوں کہ قرضہ لیا واپسی کی نوبت ہی نہیں آ رہی۔ صاحب توفیق بھی ہے تب بھی نہیں دے رہا اور اگر توفیق نہیں ہے تو پھر بھی ٹالتا ہے وقت کے اوپر آ کر ذمہ داری کا نمونہ نہیں دکھاتا بلکہ اچھا جی آج نہیں کل دے دیں گے۔ کل نہیں تو پرسوں دے دیں گے اور جو ٹالتا ہے اس میں جھوٹ ہوتا ہے۔ اگر ٹالنے میں مجبوری ہو تو وہ ٹالنا قابل برداشت ہے لیکن جس ٹالنے میں پتا ہے کہ میں نے نہیں دینا اس میں وہ پھیرے ڈلوانے والی بات ہے اور وہ محسن جس بے چارے نے اپنی ضرورت کاٹ کر یا زائد میں سے کچھ رقم ایک دفعہ دے دی وہ ایسا اس کی نظر میں برا بن جاتا ہے کہ وہ گویا اس پر ظلم کرنے آ رہا ہے۔ جب اس کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے تو اس کو آگے سے پھر سختی سے جواب ملتا ہے، میرا پیچھا چھوڑو، نہیں ہیں، اس وقت میں نہیں دے سکتا۔ تو بدتمیزیاں بھی ساتھ شروع ہو جاتی ہیں۔ تو چھوٹے چھوٹے معاملات میں اگر نیتیں گندی ہوں تو ساری سوسائٹی کے معاملات گند سے بھر جاتے ہیں تعفن پیدا ہو جاتا ہے، ان میں بدبو پیدا ہو جاتی ہے۔ بعض دفعہ اسی بناء پر لڑائیاں بڑھیں اور بہت بڑھ گئیں اور مار کٹائیاں بھی ہوئیں کہ ایک شخص غریب نے قرضہ دے دیا تھا کسی کو، وہ مطالبے کے لئے جاتا رہا یہاں تک کہ اسکے بچوں نے اس پر حملہ کر دیا اور اس کو زدوکوب کیا کہ تم ہوتے کون ہو ہمیں تنگ کرنے والے۔

آنحضرت ﷺ نے جو قرض کے معاملے میں اپنی سنت قائم فرمائی ہے اور نصیحتیں فرمائی ہیں وہ اتنی واضح ہیں کہ ان کے بعد سوسائٹی میں کسی قسم کے قرض سے تعلق رکھنے والے دکھ کے باقی رہنے کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ اسی سلسلے میں حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا، استطاعت رکھنے والے کا جب کہ سب کچھ موجود ہو قرض ادا نہ کرنا اور ٹال مٹول سے کام لینا ظلم ہے۔ جب تم میں سے کسی کا قرض کسی دولت مند کے ذمے لگایا جائے اور اس بات کو مان لے کہ قرض ادا کر دے گا تو قرض خواہ کو اس کی سپردگی اور حوالگی مان لینی چاہئے اور بے جا ضد نہیں کرنی چاہئے۔ (بخاری کتاب الحوالہ حدیث نمبر: 2125)

اس میں دو باتیں ہیں اول یہ کہ اگر تمہارے پاس توفیق ہے تو پھر لازماً دو ورنہ تم ظالموں میں شمار ہو گے اور اگر توفیق نہیں ہے تو کوشش کرو کہ کوئی ایسا شخص جو متمول ہو اور جس کو تم پر اعتماد ہو وہ ذمہ داری قبول کر لے اور قرض خواہ کو یہ نصیحت فرما دی گئی ہے اس صورت میں کہ اگر وہ ذمہ داری قبول کر لیتا ہے تو تم مان لیا کرو پھر اور تنگی نہ ڈالا کرو۔

ایسے موقع پر آنحضرت ﷺ کا خود اسوہ یہی تھا کہ ایک دفعہ مثلاً ایک یہودی نے آکر بہت سختی کی اور سخت کلامی کی یہاں تک کہا کہ آپ کے خاندان کا یہی پرانا طریق ہے کہ قرض لیتے ہیں واپس نہیں کرتے، اور خاندانی طعن آمیزی جو ہے آج کل بھی جاری ہے، پرانے زمانے میں بھی یہود کیا کرتے تھے اور حدیثوں میں رواج موجود ہے کہ ایسے موقع پر قرض خواہ پھر تنگ کرتا ہے اور گستاخی کرتا ہے لیکن ایسے موقع پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بہت غصہ آیا۔ وہ موجود تھے اور انہوں نے تلوار پر ہاتھ ڈالا کہ ایسا بدتمیز اور بداخلاق جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے متعلق زبان کھول رہا ہے تو آپؐ نے فرمایا عمر! نہیں یہ نہ کرو۔ تمہیں یہ کرنا چاہئے تھا کہ مجھے حسن ادائیگی کی نصیحت کرتے اور اس کو حسن طلب کا سلیقہ سکھاتے۔ (حدیقۃ الصالحین صفحہ: 668)۔ کیسا پیارا کلام ہے۔ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ جو سب دنیا کو دونوں باتیں سکھانے کے لئے آئے تھے عجز اور انکسار کا یہ عالم ہے اور اصل میں ہمیں سکھانے کی خاطر حضرت عمرؓ سے کہتے ہیں کہ مجھے نصیحت کرتے اور اس موقع پر جائز تھا کہ کوئی حرج نہیں۔ مجھے کہتے کہ یا رسولؐ اللہ وقت کے اوپر دینا آپؐ ہی کی تعلیم ہے خدا نے آپؐ کو عطا کی ہے اور خود کہہ کر یہ نصیحت مانگنا بتاتا ہے کہ ایک ادنیٰ بھی آنحضور ﷺ کی طبیعت پر یہ گراں نہ گزرتا۔

مگر صحابہ کا ادب تقاضا کرتا تھا کہ جن سے سیکھتے ہوان کو سکھانے کی کوشش تو نہ کرو کم سے کم۔ تو دوسرے لفظوں میں جو بات آنحضورؐ نے نہیں بتائی وہ حضرت عمرؓ اور دیگر صحابہؓ سمجھتے تھے لیکن جہاں تک طلب فرمائی کرنے والے کا تعلق ہے اس کو نصیحت کرنا یہ جائز ہی نہیں تھا بلکہ ضروری تھا کہ اس سے کہا جاتا کہ دیکھو تم نے مطالبہ کیا ہے تمہارا مطالبہ پورا ہوگا لیکن یہ باتیں بنانا جائز نہیں لیکن اس نصیحت کے بعد آنحضرت ﷺ نے ایک ضامن وہیں سے لیا یہ نہیں فرمایا کہ یہ بعد میں دے گا فرمایا جاؤ اس کو ابھی دو اور جتنا حق ہے اس سے زیادہ دو۔ اب یہ بھی ایک نیا اسلوب داخل فرما دیا قرض لینے اور دینے کے معاملات میں کہ باوجود اسکے کہ گستاخی کر رہا تھا اس کے ساتھ کوئی سختی نہیں فرمائی بلکہ اس کو اور زیادہ دینے کی نصیحت فرمائی اور کہا یہ سچ کہتا ہے جو وقت تھا اس سے کچھ اوپر گزر گیا ہے۔ پس اگر توفیق نہیں ہے تو تب ایسے لوگ جن سے تمہارے تعلقات ہیں، جن کو تم پر اعتماد ہے وہ ایسے موقع پر مدد کر سکتے ہیں اور فرمایا کہ جو قرض طلب کرنے والا ہے اگر ایسے موقع پر کوئی ضامن پیش کیا جائے خواہ وہ فوری ادائیگی نہ بھی کر سکے تو قرض کے طلب کرنے والے کے اوپر مناسب یہی ہے کہ وہ سہولت دے۔

پھر ایک موقع پر فرمایا کہ اگر تم تنگی دیکھتے ہو تو ضامن کے بغیر بھی ویسے ہی سہولت دے دیا کرو۔ اگر کوئی شخص قرض لے بیٹھا ہے اور مشکل میں مبتلا ہے تو مطالبہ کرنے میں بھی سختی نہ کرو۔ تو ایک طرف ادائیگی کرنے والے پر ذمے داری ڈالی کہ اگر تمہیں توفیق ہے تو لازماً ادا کرو۔ دوسری طرف مطالبہ کرنے والوں کو ادب سکھایا کہ ایسے موقع پر مطالبے میں سختی نہیں کرنی چاہئے بلکہ جہاں تک ممکن ہے ڈھیل دینے کی کوشش کرو۔ یہ باتیں اگر ایک سوسائٹی میں داخل ہو جائیں تو لازماً ضرورت مند کی جائز ضرورتیں قرضوں کے ذریعے پوری ہو سکتی ہیں اور قرضہ والے کو بھی کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی بلکہ ہو سکتا ہے کہ کوئی بااخلاق انسان نے جتنا قرضہ لیا ہے اس سے بھی زیادہ واپس کر دے اور کسی سود کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ سوسائٹی کے آپس کے معاملات آسان ہو جاتے ہیں جیسے کسی مشین کو Lubricate کر دیا ہو اچھی طرح اس میں مناسب تیل دے دیا جائے تو کل پرزے چلتے ہیں لیکن آواز تک نہیں آتی لیکن اگر یہ Lubrication کا انتظام نہ ہو تو چیخوں کی آوازیں، شور کی آوازیں، کھٹا کھٹ کی آوازیں آنی شروع ہو جاتی ہیں، مشینیں گرم ہو جاتی ہیں گرم ہو کے Jam ہو جاتی ہیں۔ تو سوسائٹی کا بھی یہی حال ہے وہ بھی بداخلاقیوں سے گرم ہوتی ہیں، شور

اور چیخوں کی آوازیں ان سے پیدا ہوتی ہیں اور پھر ایک موقع پر آ کر ان کے معاملات رک جاتے ہیں اور روزمرہ کی ضرورت کی چیزیں پوری نہیں ہوسکتی اقتصادی مشین کے پہیے چلتے چلتے Jam ہو جاتے ہیں۔ جام ہونا اردو محاورہ ہے انگریزی میں ''جیم'' ہو گئے لیکن اردو میں جام لفظ چلتا ہے آج کل۔ وہ جام ہو گئے یعنی پکڑے گئے خشکی کی وجہ سے ایک دوسرے سے رگڑ کھا کر اب ان میں چلنے کی طاقت نہیں رہی کیونکہ پھر وہ سوج بھی جاتے ہیں، ان میں بعض ذرات اٹک جاتے ہیں تو واقعۃً وہ مشین پھر چلنے کے لائق نہیں رہتی۔ پھر اس سے ساری قوم کو اقتصادی نقصان پہنچتا ہے۔ جن دنوں میں یہ اعتماد اونچا ہو قوم کا ان دنوں میں ساری قوم کی تجارت ترقی کرتی ہے۔

حضرت ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ کے متعلق میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ آپ فقیہہ تھے اور فقہ کے مضمون میں جو آپ کو سربلندی اور بلند مرتبہ نصیب ہوا اس میں کوئی فقیہہ آپ کا شریک نہیں ہے۔ سب دنیا میں سب سے زیادہ ہر دلعزیزی آپ کو عطا ہوئی لیکن اس کے باوجود ایسے بڑے تاجر تھے کہ اس زمانے کے لحاظ سے کروڑ ہا پتی تھی اور وجہ ان کی دیانت تھی صرف اور کچھ نہیں تھا۔ اس زمانے میں سوسائٹی میں دیانت ایک قدر تھی جس کی سب سے زیادہ قیمت پڑتی تھی اور دیانت واقعۃً ایک قدر ہے جس کی بہت بڑی قیمت پڑتی ہے۔ ایسی سوسائٹی میں بھی جہاں ایسے بحران آجاتے ہیں کہ نوکریوں سے لوگوں کو باہر نکالا جاتا ہے۔ بسا اوقات بعض احمدی مجھے بتاتے ہیں کہ نہ صرف یہ کہ ہمیں نکالا نہیں بلکہ ترقی دے دی اور وجہ یہ بتائی کہ تم دیانتدار ہو۔ ہم جانتے ہیں، ہمیں تم پر اعتماد ہے۔ اس لئے زیادہ تعلیم یافتہ، اپنے ہم رنگ، ہم نسل کو تو نکال دیا مگر ایک دوسری قوم سے تعلق رکھنے والے دیانتدار کو نہیں نکال سکے کیونکہ اپنا نقصان تھا۔

ایک موقع پر مجھے پتا لگا کہ ایک بہت امیر چنیوٹی خاندان ہے ان کا مطالبہ ہے کہ ہمیں احمدی کارکن مہیا کرو۔ تو مجھے انہوں نے خط لکھا کہ اس طرح ہم سے مطالبہ ہے ہم کریں یا نہ کریں۔ میں نے کہا ضرور کرو اور پتا بھی کرو کیا بات ہے۔ مجھے علم تھا کہ کیا ہوگی لیکن میں سننا چاہتا تھا تو انہوں نے اپنے منہ سے صاف اقرار کیا کہ بات یہ ہے کہ میرا تجربہ ہے جب جتنے احمدی کارکن میں نے رکھے ہیں وہ غیروں کی نسبت زیادہ دیانتدار ثابت ہوئے ہیں اس لئے میرا کوئی احسان نہیں ہے بلکہ میری مجبوری ہے اور انگلستان میں بھی ایک ایسی جگہ ہے، ایک ایسا ادارہ ہے جہاں احمدیوں کو صرف اس

غرض سے رکھا جارہا ہے کہ باوجود دینی مخالفت کے اور بڑے بھاری دینی دباؤ کے وہ مالک سمجھتا ہے کہ یہ زیادہ دیانتدار ہیں ان پر میں اعتماد کرسکتا ہوں دوسروں پر ایسا اعتماد نہیں کرسکتا۔تو دیانت سے بڑھ کر کوئی بڑا سرمایہ نہیں ہے اگر دیانت ہو تو بے پیسے کے بھی انسان کی ضرورت پوری ہو جاتی ہے اور ایسے انسان پر دوسرا یقین کرتا ہے، اعتماد کرتا ہے اس کو سرمایہ دے کر آگے بڑھانے کی کوشش کرتا ہے۔لیکن اگر دیانت نہ ہو تو امیر سے امیر آدمی کا سرمایہ بھی اس کے کسی کام کا نہیں رہتا۔

پس حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے جہاں قرضوں کا مضمون بیان فرمایا وہاں قرضوں کی دیانت کی ادائیں بھی سکھائی ہیں۔ ہر دائرے کی اپنی اپنی ادائیں ہیں۔قرضوں کے دائرے میں اخلاق اور حسن خلق کا مضمون قرضوں سے تعلق کی وساطت سے بیان کیا جاتا ہے۔پس اس پہلو سے بھی آنحضرت ﷺ نے کوئی کونہ ایسا چھوڑا نہیں جہاں آپؐ نے روشنی نہ ڈالی ہو۔تو مسلمانوں کے لیے پھر اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارنے کا کیا موقع رہ جاتا ہے۔اس کے باوجود اگر احمدیوں میں کوئی ایسے ہوں جو اندھیروں میں ٹکریں مارتے ہیں اور پھر نقصان پہنچاتے ہیں، کہیں ان کا گھٹنا ٹوٹتا ہے کہیں وہ ٹھوکر کھا کر گرتے ہیں تو نور مصطفویؐ کو انہوں نے اندر آنے نہیں دیا۔ یہ میں سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں کہ ہے یہ نور اور اس سے اندھیرے لازماً زائل ہوتے ہیں۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ یہ نور سینے میں داخل ہو جائے اور پھر اندھیرے باقی رہ جائیں۔لیکن سینے میں داخل کرو اور اگر دل اندھے ہیں تو پھر دلوں کا علاج کرو اور وہ استغفار اور دعا سے ٹھیک ہو سکتے ہیں لیکن جماعت احمدیہ میں معاملات ایسے صاف ستھرے، ایسی عمدگی سے چلنے چاہئیں جیسے مشین بہت اچھی طرح Lubricated ہو اور ہر قسم کی اس کی حرکت کی ضرورتیں پوری کی جارہی ہوں، جتنا تیل چاہئے وہ تیل بھی مل رہا ہو، جتنی طاقت درکار ہے وہ طاقت بھی مل رہی ہو تو ایسی سوسائٹی پھر خوب پنپتی ہے۔

اور چونکہ اب ذمہ داریاں بڑھ رہی ہیں ایسے احمدیوں کی ضرورت ہے جو زیادہ خوشحال اور دلوں کی وسعتیں رکھتے ہوں، اعلیٰ دینی اخلاق سے مرصع ہو کر ان میں قربانی کا جذبہ ہو، قربانی کی تمنائیں ہوں تا کہ وقت کی بڑھتی ہوئی ضرورتیں جماعت احمدیہ آسانی سے پوری کر سکے۔ ہوتی تو ہیں اور ہوتی رہیں گی، مجھے یقین ہے لیکن وہ جو کمزور الگ بیٹھے ہیں وہ بھی شامل ہو جائیں گے لیکن اگر کوئی شخص ملتا ہے جو باوجود ان نصیحتوں کے اپنے قرضوں کے معاملات کو درست نہیں کرتا اور دیانتداری کو

اختیار نہیں کرتا یا مالی بد دیانتی کا مرتکب وہ ہو جاتا ہے تو اس کے متعلق پھر مجھے مجبوراً یہ فیصلہ دینا پڑتا ہے کہ اس سے آئندہ کوئی چندہ وصول نہیں کیا جائے گا اور یہ بڑی محرومی ہے۔ جن کو سمجھ آ جاتی ہے وہ تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے اسی دھکے کے نتیجہ میں سنبھل جاتے ہیں اور بعض اس دھکے کے نتیجے میں ٹھوکر کھا کر گر پڑتے ہیں اور ختم ہو جاتے ہیں لیکن اس کے سوا چارہ نہیں ہے۔ پس جو قرضوں کے معاملات میں اور لین دین کے معاملات میں ابھی تک کمزوری دکھا رہے ہیں اور اپنے بھائی کے پیسے کی عزت اور قدر نہیں کرتے ان کو میں متنبہ کرتا ہوں کہ اب ہم نے بہت تیز آگے بڑھنا ہے اور اب ان کو ساتھ لے کر بڑھنے کی طاقت نہیں ہے۔ نہ اتنا صبر ہے، نہ وقت کے تقاضے ہمیں اجازت دیں گے کہ ان کو ساتھ ساتھ انگلیاں پکڑ پکڑ کے ضرور آگے بڑھاؤ۔ نہیں رہتے تو پھر الگ ہو جائیں، ہمارا ساتھ چھوڑ دیں لیکن جماعت جس نے سفر کرنے ہیں اور لمبے سفر کرنے ہیں اور تیز رفتاری سے آگے منزلیں طے کرنی ہیں ان کو تو اب ہلکے پھلکے وزن والے چاہئیں جو اس قسم کے بوجھوں سے آزاد ہوں یعنی ان کے ضمیر پر کسی قسم کے گند کے بوجھ نہ ہوں تا کہ یکسوئی کے ساتھ وہ خدمت کر سکیں۔

حضرت سلیمان بن صرد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں آنحضرت ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور دو آدمی قریب ہی جھگڑ رہے تھے ان میں سے ایک کا چہرہ سرخ تھا، رگیں پھولی ہوئی تھیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا میں ایسی بات جانتا ہوں کہ اگر وہ اس بات کو کہے تو اس کی یہ کیفیت جاتی رہے گی۔ یعنی اگر وہ کہے کہ میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں دھتکارے ہوئے شیطان سے **اعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم** تو اس کا غصہ جاتا رہے گا۔ اس پر لوگوں نے اس جھگڑنے والے کو کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اگر تو **اعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم** پڑھے تو تیرا غصہ جاتا رہے گا (بخاری کتاب بدء الخلق حدیث نمبر: 3040) اور آنحضرت ﷺ کا پیغام ملتے ہی صحابہ فوراً سر تسلیم خم کرتے تھے اور اس طرح فساد کی جڑیں ہی ختم ہو جاتی تھیں یعنی نیست و نابود ہو جاتی تھیں۔ تو آج کل بھی تو آنحضرت ﷺ کا حکم اسی طرح چل رہا ہے۔ آج بھی تو ہم غلامی کے دعویدار ہیں تو پھر آج کیوں ان نصیحتوں کو سن کر ان پر عمل نہیں دکھاتے۔ غصہ بعض دفعہ دماغ کو پاگل کر دیتا ہے اور غصے میں جو انسان اقدام کر بیٹھتا ہے بعض دفعہ ساری عمر پچھتاتا ہے اور پھر بھی اس کا صحیح ازالہ نہیں کر سکتا۔

ایک دفعہ مجھے کسی نے لکھا کہ میں نے غصے میں اپنی ماں کو یہ بات کہہ دی تھی، معافی ہو گئی

مگر آج تک میرے دل میں اس کی جلن نہیں مٹ رہی۔ اپنی ماں کو میں نے کیوں ایسا کلمہ کہا۔ ایک دفعہ کسی نے اپنے باپ کے متعلق ایسا واقعہ لکھا اور پھر قتل بھی ہو جاتے ہیں لیکن غصے کی بیوقوفی کا جو داغ ہے وہ مٹتا نہیں قتل تو معاف ہو جاتے ہیں لیکن وہ داغ اپنے سینے سے نہیں مٹتا۔ پس آنحضرت ﷺ نے اس کا بہترین علاج یہ بیان فرمایا کہ یہ کہا کرو اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم کہ میں اللہ کی پناہ میں آتا ہوں شیطان رجیم سے۔ تو غصے کو شیطان رجیم قرار دینے کا مطلب یہ ہے کہ غصے کی حالت میں بھاری امکان ہے کہ شیطان انسان پر قبضہ کر لے اور اس کا فعل شیطانی فعل بن جائے اور یہ ایک ایسی بات ہے جس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ آنحضور ﷺ کو مانے یا نہ مانے۔ یہ بات تو دنیا کا ہر انسان ماننے پر مجبور ہے کہ غصہ انسان کو شیطانی افعال پر مجبور کر دیتا ہے اور وہ اپنے قابو میں نہیں رہتا۔ تو بہت سے جھگڑے غصے کی وجہ سے بڑھ جاتے ہیں اور تو تکار شروع ہو جاتی ہے اور بہت سی گندی بے ہودہ باتیں آجاتی ہیں بیچ میں۔ جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے پھر وہ ایسے داغ لگا جاتا ہے کہ وہ پھر مٹتے نہیں ہیں اور جھگڑوں میں غصے کے نقصان دو چار نہیں بلکہ بہت ہیں، لامحدود کہنا چاہئے جو افعال سرزد ہوتے ہیں ان کے بعد جو نتائج نکلتے ہیں ان میں پھر اکثر جھوٹ کے شیطان سے مدد مانگنی پڑتی ہے۔ وہ شیطان جو ایک دفعہ اتفاقاً تھوڑی دیر کے لیے آیا تھا وہ دائمی ساتھی بن جاتا ہے۔ چنانچہ غصے کی حالت میں جو حرکتیں سرزد ہوتی ہیں جب ان پر کارروائیاں ہوں تو پھر اکثر یہ ملوث لوگ جھوٹ بولتے ہیں، جھوٹے گواہ بناتے ہیں، جھوٹے بہانے بناتے ہیں، نفس ان کا الجھا رہتا ہے کہ اب میں کیا ترکیب کروں جس کے نتیجہ میں اپنے فعل کی زد سے بچ سکوں اور ساری سوسائٹی گندی ہو جاتی ہے۔

پھر غصے میں جو جھگڑا چلتا ہے اس میں اکیلا انسان نہیں رہا کرتا۔ ایسے واقعات ہوئے ہیں کسی باپ کی کسی دوسرے شخص سے لڑائی ہوئی ہے۔ بیٹا اٹھا ہے اور اس نے جا کے اس کے بیٹوں کو مارا یا اس کے باپ پر حملہ کیا اور پھر جتھے بنتے ہیں اور ایک دوسرے سے تعلق رکھنے والے گروہ در گروہ اپنی عزتوں کو معاملے بنا لیتے ہیں کہ ہم زیادہ طاقتور ہیں اور وہ کم تر ہے یا ہم زیادہ معزز لوگ ہیں اور وہ ذلیل ہیں۔ یعنی جو بھی ہو نفس کے جھگڑے، نفسانی بچے دیتے ہیں اور یہ خیال کر لینا کہ نفس کا جھگڑا وہیں ختم ہو جائے گا غلط ہے۔ نفسانی بچے جب پیدا ہوتے ہیں تو کئی شیاطین اکٹھے ہو جاتے ہیں یعنی ایسے شیطان ہیں جو خود بچے دینے والے شیطان ہیں اور ان سے پھر پیچھا نہیں چھٹتا۔ بعض

خاندانی جھگڑے لمبے عرصے تک نسلاً بعد نسل منتقل ہوتے رہتے ہیں۔ایسی جماعتیں ہیں جن کو اللہ نے اپنے فضل سے بچالیا ہے جن کے جھگڑے اس طرح ایک نسل کے بعد دوسری نسل میں منتقل ہوئے، دوسری سے تیسری میں منتقل ہوئے اور خاندانوں نے اپنی عزت کا معاملہ بنالیا اور ہر نصیحت کرنے والا ناکام ہوجاتا رہا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو بچانا تھا ان کے آباؤ اجداد کی کوئی نیکیاں تھیں جو کام آئیں وہ بچ گئے لیکن بعض ابھی تک نہیں بچ سکے تو آنحضرت ﷺ نے جو اعوذ باللہ کی نصیحت فرمائی ہے یہ بیماری کی جڑ اکھیڑنے والی نصیحت ہے۔شیطان سے خدا کی پناہ میں آجانے سے یہ سارے قصے وہیں ختم ہوجاتے ہیں آگے بات نہیں بڑھتی۔

مؤطا امام مالک سے ایک حدیث ہے حضرت عطا بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔مصافحہ کیا کرو اس سے بغض اور کینہ دور ہوجائے گا۔(مؤطا امام مالک کتاب الجامع حدیث:1413) اب ہمارے ہاں تو مصافحے کا بہت رواج ماشاء اللہ۔لیکن بعض دفعہ یہ ہوتا ہے واقعۃً کہ جس سے انسان کی طبیعت میں تردد ہو،اس کی طرف مصافحے کا ہاتھ نہیں اٹھتا۔یہ ایک بہت گہری نصیحت ہے لیکن یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ اس سوسائٹی کو نصیحت کی جارہی ہے جس سے نفاق کی کوئی توقع نہیں ہے۔اگر منافق مصافحہ کرے تو یہ نتیجہ نکلے گا بلکہ بعض دفعہ اور بد نتائج ظاہر ہوجاتے ہیں۔تو آنحضرت ﷺ نے جب فرمایا کہ مصافحہ کرو اس سے محبت بڑھتی ہے اور غلط فہمیاں دور ہوتی ہیں یا دلوں کی میل اترتی ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کو اپنی امت سے یہ توقع ہے بلکہ یقین ہے کہ وہ منافقت سے کوئی حرکت نہیں کریں گے۔اگر کسی شخص کے دل پر میل ہے اور باوجود اس کے آپ مصافحہ کرتے ہیں تو طبعًا دو ہی حالتیں ہوسکتی ہیں یا دل میں نفرت قائم رکھی ہوئی ہے تو یہ منافقت ہے اور یا پھر فیصلہ کرتے ہیں کوئی بات نہیں میرا بھائی ہے میں مصافحہ کرتا ہوں وہ مصافحہ دل کو ٹھنڈا کر دیتا ہے پس مصافحے میں بھی بڑی برکت ہے۔

اور دوسرا فرمایا اس سے آگے بڑھو تحفے دیا کرو،ایک دوسرے کو تحفے پیش کرو محبت بڑھے گی اور عداوتیں اور رنجشیں دور ہوں گی تو یہ بھی ایک بہت اچھا طریق ہے کہ تحائف کو رواج دیا جائے لیکن جب تحائف دیئے جائیں تو پھر آگے سے کیا سلوک ہونا چاہئے۔یہ تو نہیں کہ چپ کر کے تحفے وصول کرتے رہو اور سمجھو بس ٹھیک ہوگیا، جزاکم اللہ۔آنحضرت ﷺ نے ہر مضمون جو چھیڑا ہے اس کے

تمام پہلو بیان فرمائے ہیں۔

فرماتے ہیں کسی شخص کو کوئی تحفہ دیا جائے تو اسے چاہئے کہ وہ اس کا بدلہ دے اگر وہ بدلہ دینے کی یعنی بعینہٖ واپس کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا یا کسی وجہ سے مناسب نہیں سمجھتا۔ بعض دفعہ اگر ویسی ہی چیز واپس کی جائے تو دوسرے کی دل شکنی ہوتی ہے، بجائے حوصلہ افزائی کے۔ وہ سمجھتا ہے کہ میرا بدلہ اتار دیا گیا ہے۔ تو ہر شخص کے اعلیٰ مزاج یا نسبتاً ادنیٰ مزاج کے مطابق سلوک ہوتا ہے۔ بعض کو تحفہ دینا ان کے لئے دل بڑھانے کا موجب بنتا ہے بعض پر مُردہ ہو جاتے ہیں سمجھتے ہیں کہ اچھا ہم تو بڑے پیار سے لائے تھے کہ کچھ ہمارا احساس رہے گا لیکن یہ دے کر ہماری وہ بات ختم کر دی تو ان کا بھی علاج ممکن ہے۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ تعریف کے رنگ میں اس کا ذکر کرے، اس کا شکریہ ادا کرے، کہے بہت اچھا ہے۔ بہت لطف آیا، بہت میرے دل میں اس کے نتیجے میں تمہارا پیار بڑھا ہے۔ اگر اس نے ایسا کیا تو گویا اس نے شکر کا حق ادا کر دیا۔ تو بدلے سے مراد بالکل مادی بدلے نہیں ہیں جہاں توفیق ہو وہ موقع اور محل کے مطابق فوری نہیں کسی وقت وہ بھی ضروری ہے لیکن اتنا کر دینا بھی اس نصیحت پر عمل درآمد کرنے کے مترادف ہے، اس کے عین مطابق ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم فرما رہے ہیں۔ کہتے ہیں شکریہ ایسے احسن رنگ میں ادا کرے کہ تحفے والے کا دل خوش ہو جائے یہی اصل بات ہے۔ تحفے کے نتیجے میں دلوں کی خوشی درکار ہوتی ہے وہی مقصود ہوتی ہے کہ اس کا دل اتنا خوش کر دو کہ تمہیں یقین ہو جائے کہ بدلہ اتر گیا ہے۔

بعض دفعہ میرا تجربہ ہے بعض لوگوں کو تحفہ دیا جائے تو اتنا زیادہ شکریہ کا اظہار کرتے ہیں کہ آدمی شرمندہ ہو جاتا ہے، یہ وہم بھی باقی نہیں رہتا کہ اس کے اوپر کچھ باقی چڑھا ہوا ہے انسان اس کے اظہار شکر کا ممنون ہو کر زیر بار ہو جاتا ہے۔ تو حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کی انسانی فطرت پر بہت گہری نظر تھی اور ایک دنیا کے عظیم معلم کے طور پر لازم تھا کہ آپؐ کو فطرت کے گہرے راز سکھائے جائیں۔ پس ہر موقع اور محل کے مطابق، اس کی مناسبت سے نصیحت آپؐ نے فرمائی اور کوئی تعلیم اور تربیت کا پہلو باقی نہیں چھوڑا۔

فرماتے ہیں اگر کوئی اس کو چھپائے بلکہ ایسا کرے کہ تعریف کا کوئی کلمہ تک نہ منہ سے نکلے، تحفہ ملا ہے منہ بند کر کے، گنگ ہو کر کے بیٹھ گیا ہے۔ بعض لوگوں کے دماغ میں ہوتا ہے شاید کہ ہمارا

حق ہے کہ ہمیں تحفہ دیا جائے۔ تو فرمایا کہ اگر یہ بات ہے تو پھر اس نے شکر کا حق ادا نہیں کیا اور یہ جو بات ہے اس میں بھی میں نے دیکھا ہے مزاج مختلف ہیں۔ بعض لوگ ایسا مزاج رکھتے ہیں کہ ان کو اگر شکریہ ادا کیا جائے تو شرمندہ ہو جاتے ہیں اور حجاب محسوس کرتے ہیں لیکن جو تشکر ہے وہ بعض دفعہ اپنے چہرے سے ظاہر ہوتا ہے، اپنے انداز سے ظاہر ہوتا ہے۔ آئندہ کے سلوک اور معاملات سے ظاہر ہوتا ہے تو وہ بھی اظہار تشکر ہے اور ہر شخص کی طبیعت کی لطافت اور اس کے مزاج کے مطابق شکریہ کا رنگ اختیار کرنا چاہیئے۔ جو اس بات کے محتاج ہیں کہ کھلم کھلا شکریہ ادا کیا جائے لازماً ان کو کھلم کھلا شکریہ ادا ہونا چاہئے۔ جن کے دلوں میں محسوس ہوتا ہے کہ کوئی شخص ممنون ہے اور اس سے زیادہ وہ بار برداشت نہیں کر سکتے ان سے وہی سلوک ہونا چاہئے جو ایسے حساس لوگوں سے واجب ہے جو فطرت بتاتی ہے کہ ہونا چاہئے۔

ایک اور حدیث ہے، مسلم کتاب الفضائل سے لی گئی ہے، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اشعری قبیلے کی خصوصیت بڑی قابل تعریف ہے۔ یہ ایک خصوصیت مراد ہے کہ جب جنگ میں ان کو تنگ دستی کا سامنا کرنا پڑے یا اپنے شہروں میں اچانک ایسی خوراک کی کمی واقع ہو جائے کہ کچھ لوگ بالکل بھوکے رہ رہے ہوں اور کچھ کے پاس زیادہ ہو تو ایسی صورت میں وہ ہمیشہ اپنے تمام ذخائر کو اکٹھا کر لیتے ہیں اور پھر برابر تقسیم کر دیتے ہیں۔ فِیْ یَوْمٍ ذِیْ مَسْغَبَةٍ (البلد:15) یہ وہ یَوْمٍ ذِیْ مَسْغَبَةٍ کی بات ہو رہی ہے جس کے متعلق قرآن کریم نے نصیحت فرمائی۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک اور قبیلے کے حوالے سے اس کا بیان فرمایا لیکن ساتھ ہی آخر پر فرمایا دراصل ایسے ہی لوگ ہیں جو میرے ہیں اور میں ان کا ہوں۔ تو یہ کسی اور سے آپؐ نے سیکھا نہیں تھا مزاج۔ یہ آپؐ کے اتنے ہم مزاج بات تھی کہ بے ساختہ ایسے لوگوں سے تعلق اور پیار ہوا کہ یہ تو میرے جیسی سوچ سوچتے ہیں اور اس بات کا ثبوت کہ یہی بات تھی ایک غزوہ کے موقع پر ملتا ہے کہ جہاں خوراک کی کمی محسوس ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے سب کو اکٹھا کیا اور فرمایا کہ جو کچھ جس کے پاس ہے وہ سب ہی لے آؤ۔ چنانچہ وہ سب اکٹھا کر دیا گیا اور پھر سب کو برابر تقسیم کر دیا گیا اور اس میں ایسی برکت پڑی کہ وہ سخت تنگی اور فاقے کا وقت تھا جو سب پر اچھا گزر گیا، آسانی سے وہ مشکل طے ہو گئی۔

تو یہ دراصل آنحضرت ﷺ کا اپنا فعل تھا لیکن چونکہ قبیلے میں یہ بات پائی جاتی تھی اس لئے اس قبیلے کا حوالہ دے دیا، اس کی تعریف فرمادی اور یہ بھی بہت بڑے دل کی بات ہے۔ یہ آپؐ کی سخاوت قلبی کا پتا چلتا ہے امر واقعہ ہے کہ ان سے نہیں سیکھا تھا لیکن اس خیال سے کہ اگر میری طرف ہی بات رہے تو وہ بھی تو ایسا کرتے ہیں۔ ان کا ذکر خیر پھر کہاں چلے گا۔ تو ہمیشہ کے لئے ان کا ذکر خیر محفوظ فرما دیا یہ کہہ کر کہ اس قبیلے میں یہ بڑی خوبی پائی جاتی ہے اور آخر پر اس طرح لطیف رنگ میں راز سے پردہ اٹھا دیا ہے کہ جو ایسا کرے وہ میرا ہے، میں اس کا ہوں۔ وہ مجھ میں سے ہے میں اس میں سے ہوں۔ تو معلوم ہوا کہ یہ پہلے سے دل میں باتیں تھیں تبھی وہ قبیلہ اپنا لگا ہے اس سے سیکھی نہیں ہیں اور یہ ہے بہت اہم بات۔ بعض دفعہ قومی ضرورتوں میں ایسا کرنا پڑتا ہے اگر روزمرہ زندگی میں نہیں ہوسکتا تو بعض ایسے حالات پیدا ہوتے ہیں مثلاً جنگ کے حالات اور کسی وقت کوئی کرائسز آجاتا ہے تو ایسا کرنا پڑتا ہے اور اس کی بہت برکت ہوتی ہے۔

ایک دفعہ ربوہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسی ترکیب کو استعمال فرمایا اور بہت لطف اٹھایا ہم نے۔ جلسے کے موقع پر ایک دفعہ نانبائیوں کا جھگڑا ہو گیا تھا یا کوئی مشکل پیش آگئی تھی تو پتا چلا کہ جتنے مہمان ہیں ان کی روٹیاں فی کس کے حساب سے جو فارمولا ہے اس کے مطابق روٹی نہیں دی جاسکتی تو حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے فرمایا کہ سارے ایک روٹی کھائیں گے آج۔ میں بھی کھاؤں گا میرے بچے بھی سارے ایک روٹی کھائیں گے اور مہمانوں نے بھی کہا ہم بھی سارے ایک روٹی کھائیں گے اور وہ روٹیاں اس دن کم ہونے کی بجائے اتنی بچ گئیں کہ رات کی زائد ضرورت بھی اس سے پوری ہوگئی۔ تو بہت برکت والی نصیحتیں ہیں یہ اور آج کل بھی جو ہمارے قومی مسائل ہیں ان کو حل کرنے میں بہت اہم کردار کرسکتی ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک دوسرے کے لئے بھی وہی چیز پسند نہیں کرتا جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔ یعنی اگر اپنے لئے آرام، بھلائی چاہتا ہے تو دوسرے کے لئے بھی ایسا ہی چاہے۔ (بخاری کتاب الایمان) میں نے پہلے بھی ایک دفعہ بتایا تھا کہ بعض احادیث میں مسلم کا لفظ آیا ہے اور اس سے یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ گویا یہ اخلاق مسلمانوں کے مسلمانوں سے روابط ہی سے تعلق رکھتے ہیں یعنی ایک مسلمان کے لئے یہ چاہنا

چاہئے لیکن وہاں بھی میں نے وضاحت کی تھی کہ بہت سی ایسی احادیث ہیں جن سے پتا چلتا ہے کہ ایمان کی نشانی یہ ہے کہ ہر انسان سے ایسا سلوک کرے۔ تو مسلم کہہ کر جب فرمایا گیا ہے تو یہ توقع ظاہر کی گئی ہے کہ کم سے کم اتنا کرو کہ اپنے بھائی جن کو تم بھائی کہتے ہو اور بھائی سمجھتے ہو ان سے تو ایسا سلوک کرو اگر ان سے نہیں کرو گے تو پھر غیروں سے کیسے کر سکو گے۔ یہ مراد نہیں ہے کہ کر کے بیٹھ جاؤ اور تسلی پالو کہ ہاں ہم نے حق ادا کر دیا۔ یہ سمجھانے کے انداز ہیں اور دوسری احادیث جو عام ہیں وہ ظاہر کر رہی ہیں کہ یہ معنی بالکل درست ہے۔ چنانچہ یہ مومن والی حدیث بھی انہی احادیث میں سے ہے جن کا فیض عام ہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ مومن وہ ہے جو دوسرے مومن کے ساتھ ایسا سلوک کرے۔ آپؐ نے فرمایا ہر ایک سے ایسا سلوک کرے وہی مومن ہے اور وہ یہ ہے کہ اس کو جو کچھ بھی اپنے لئے پسند چاہتا ہے ویسا ہی اس کے لئے چاہے۔ انسان اپنے لئے یہ تو نہیں چاہتا کہ کوئی آئے اور میری عزتوں سے کھیلے، کوئی آئے اور میرے مال سے کھیلے، میرے ساتھ ظلم کا سلوک کرے۔ پس اپنے نفس کے حوالے سے جو انسان چاہتا ہے اس کو اگر دوسرے کے لئے چاہے تو ساری سوسائٹی امن میں آجائے گی اور یہاں مومن امن دینے والا بھی ہے۔ یعنی مومن کے معنی ہیں ایمان لانے والا اور مومن کا دوسرا معنی ہے، امن دینے والا۔ اسی طرح مسلم کے معنے بھی حسب حالات بدلتے ہیں اور یہ گنجائش ان لفظوں میں موجود ہیں۔ تو فرمایا کہ اصل امن دینے والا دنیا کو وہ شخص ہے جو جیسا اپنے لئے چاہتا ہے ویسا ہی دوسرے اپنے بھائی کے لیے چاہے اور اپنے سکھ دکھ کو ان کے ساتھ بانٹے۔

ایک روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ابن ماجہ سے لی گئی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جو شخص ہم پر ہتھیار اٹھاتا ہے وہ ہم میں سے نہیں ہے (یعنی اگر ایک مسلمان دوسرے مسلمان پر حملہ کرتا ہے تو حملہ آور مسلمان نہیں رہتا) یہ تشریح ترجمہ کرنے والے نے لکھی ہے الفاظ صرف یہ ہیں کہ **من حمل علینا السلاح فلیس منا** (ابن ماجہ ابواب العدو) جو ہم پر ہتھیار اٹھاتا ہے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

اس حدیث کو سمجھنے کے لئے بھی غور کرنا چاہئے کہ آنحضرت ﷺ اور آپؐ کے صحابہ پر مسلمان ہوتے ہوئے کون ہتھیار اٹھا سکتا تھا اور جو اٹھاتا تو آپؐ میں سے تھا ہی نہیں۔ تو یہ کہنے میں کیا حکمت ہے۔ اصل میں اس میں بہت سے معانی پوشیدہ ہیں۔ اول یہ ایک پیشگوئی کا رنگ رکھتی ہے۔ مسلمانوں پر ایسا بدنصیب وقت آنے والا ہے کہ جبکہ خوارج نے مسلمانوں پر حملہ کرنا تھا اور ہتھیار

لے کر نکلنا تھا اور ہم سے مراد محمد رسول اللہ ﷺ کے نمائندہ ہیں۔ اگر پیش گوئی کا رنگ دیا جائے تو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت ''ہم'' کے دائرے کے نیچے تھے، ''ہم'' کے سائے کے نیچے تھے۔ وہ شخص جو میرے اور میرے نمائندوں پر حملہ آور ہوگا اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں اس لیے ایسے لوگوں کا نام خوارج رکھنا بالکل مناسب اور درست تھا اور ارشاد نبویؐ کے مزاج کے عین مطابق تھا۔

دوسرا اس کا معنی روز مرہ کا یہ ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان پر حملہ آور ہوتا ہے۔ وہ شخص جو ظلم کی راہ سے حملہ کرتا ہے وہ باہر ہے اور جو رسول اللہ ﷺ کی ہدایت اور آپؐ کی سنت کے تابع رہتا ہے اور پھر اس پر حملہ ہوتا ہے وہ ''ہم'' کے سائے میں آجاتا ہے۔ تو یہ مراد ہے یہ کوئی ایسا مسلمان جو ایسے مسلمان شخص پر حملہ آور ہو جو میرے سنت کے مطابق زندگی بسر کر رہا ہے اس سے کسی کو کوئی دکھ نہیں پہنچا، کوئی اس نے کسی پر ظلم نہیں کیا، لوگوں کی بھلائی میں لگا رہتا ہے، ایسا شخص اگر کسی دوسرے بظاہر مسلمان کا نشانہ بنتا ہے تو میں یہ اعلان کرتا ہوں کہ وہ مجھ میں سے نہیں ہے۔ یہ رسول اللہ ﷺ کا اعلان ہے کہ اس کا میرے سے کوئی تعلق نہیں رہتا۔ تو اپنے معصوم بھائی کو ناجائز دکھ دینا اس حدیث کی رو سے دکھ دینے والے کو صرف دائرہ اسلام سے خارج نہیں کرتا بلکہ ایک ایسے انداز سے خارج کرتا ہے جو بہت زیادہ تکلیف دہ انداز ہے یعنی رسول اللہ ﷺ کا یہ کہنا کہ میرا اس سے کوئی تعلق نہیں بہت بڑی سزا ہے اور اللہ تعالیٰ نے بھی اس مضمون کو قیامت کے دن کے حوالے سے اس طرح بیان فرمایا ہے کہ عام طور پر تو سزائیں دی گئی ہیں کہ اس کو جہنم کی سزا ملے گی، فلاں سزا ملے گی، لیکن بعض جو بہت ہی بدنصیب لوگ ہیں ان کے متعلق فرمایا اللہ تعالیٰ ان سے کلام نہیں کرے گا، ان پر نظر نہیں ڈالے گا۔ تو یہ بہت بڑی سزا ہے، عام سزا سے بڑھ کر روحانی رشتہ توڑ لیا جائے اور انسان کہے میرا تم سے کوئی تعلق نہیں رہا۔ تو آنحضرت ﷺ نے یہاں اس کو غیر مسلم تو قرار نہیں دیا لیکن یہ فرمایا ہے یعنی اگر یہ معنے لئے جائیں تو یوں کہیں گے کہ یہ کہنے کی بجائے کہ وہ مسلمان نہیں رہتا فرمایا میں اس کا نہیں ہوں، وہ میرا نہیں ہے، بس کٹ گیا۔ جو رسول اللہ ﷺ سے کٹ گیا اس کا ایمان کہاں رہنا ہے۔ اس کا اسلام کہاں رہنا ہے لیکن اس کو نکالنے کا انداز ایسا ہے جو بہت زیادہ تکلیف دہ ہے پس اپنے بھائی پر کسی قسم کی زیادتی سے باز رہنا لازم ہے

تیسرا حملہ ایسا ہے جو رسول اللہ ﷺ پر اس زمانے میں بھی ہوا کرتا تھا۔ وہ زبان کے ہتھیار

ہیں، بدتمیزی اور بداخلاقی کے ہتھیار ہیں، ان سے بعض بدنصیب اس زمانے میں بھی آنحضرت ﷺ پر حملہ کر دیا کرتے تھے اور نظام پر حملہ کیا کرتے تھے۔ ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ کو یہ فرمانا پڑا کہ **من عصی امیری فقد عصانی و من عصانی فقد عصی اللہ** (مسلم کتاب الامارہ حدیث نمبر: 3416) جس نے میرے امیر سے نافرمانی کا طریق اختیار کیا ہے اس نے مجھ سے نافرمانی کا طریق اختیار کیا ہے، تو وہی مجھ سے کاٹنے والا مضمون بالکل کھل کر سامنے آ گیا۔ یعنی یہ مراد نہیں کہ تم براہ راست مجھ پر حملہ آور ہو۔ یاد رکھو جو میرے مقرر کردہ نظام پر حملہ کرتا ہے اس سے بھی میرا تعلق کٹ جاتا ہے، میں اس کا نہیں رہتا۔ تو بعض لوگ یہ کہتے ہیں جی ہم تو فلاں عہدیدار کو کہہ رہے ہیں، فلاں شخص کو کہہ رہے ہیں، آپ کو تو نہیں کہہ رہے۔ تو ان کو میں یہی جواب دیتا ہوں کہ مجھے کہیں یا نہ کہیں رسول اللہؐ کی بات میں مانوں گا، آپؐ یہ محسوس کیا کرتے تھے اور دیکھیں حمایت کتنی بڑی ہے۔ اپنے مقرر کردہ عہدیدار کے حق میں ناانصافی کا تعلق تو آپؐ کا تھا ہی نہیں، کسی کی مجال نہیں تھی کہ کسی کا حق مارے اور رسول اللہ ﷺ اس کی حمایت فرمائیں۔ یہاں حمایت کا مضمون بتا رہا ہے کہ وہ شخص جس پر لوگ زبانیں دراز کرتے ہیں باوجود اس علم کے میرا مقرر کردہ ہے وہ مجھ پر زبان دراز کرتا ہے۔ اب کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس نے زیادتی کی ہے۔ اگر زیادتی ہے تو اس کا علاج موجود ہے زیادتی کی اطلاع اس کو کرنی چاہئے جس نے مقرر کیا ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ یہ نکتہ اس طرح کھولا کہ بعض وہ لوگ جو پیغامی ذہنیت رکھتے تھے اور بعد میں فتنے کے بعد کھل کر پیغامیت میں داخل ہو گئے۔ ان لوگوں میں سے بعض نے حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ پر بھی اعتراض کئے اور کہا کہ یہ دیکھو یہ تو بوڑھا ہو گیا ہے۔ اس کو پتا ہی نہیں چل رہا کہ اچھا کون ہے اور برا کون ہے۔ ناجائز حمایت کر رہے ہیں ایک نوجوان کی (حضرت مصلح موعودؓ مراد تھی) تو اس قسم کی باتیں جب حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کو پہنچیں تو آپؓ نے فرمایا۔ دیکھو تم نے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے دیا ہے اب تم میں اختیار ہی نہیں ہے کہ میرے اوپر زبانیں دراز کرو۔ اگر تم سمجھتے ہو کہ یہ بڈھا اس عمر میں آ کر اپنا توازن کھو بیٹھا ہے، غلط کام کر رہا ہے۔ تو جس نے مجھے بنایا ہے اس کے پاس شکایت کرو۔ اگر تم سچے ہو تو مجھے وہ واپس بلا لے گا لیکن تمہیں حق نہیں دے گا کہ تم زبانیں کھولو اور تم میرے سامنے گستاخی سے پیش آؤ۔ اب کتنا اہم نکتہ ہے اور کتنا گہرا نکتہ ہے جو صرف خلافت سے تعلق نہیں رکھتا پورے نظام جماعت سے تعلق رکھتا ہے۔

جس شخص نے محسوس کیا کہ اس سے زیادتی ہوئی ہے اس کا فرض ہے کہ اس کی معرفت، اس کے وسیلے سے وہ خلیفہ وقت تک اپنی درخواست پہنچائے اور جہاں بھی کبھی ایسے شخص کی زیادتی ثابت ہوئی ہے کبھی اس سے نرمی کا سلوک نہیں ہوا کیونکہ اس نے ایک اور پر ظلم کیا ہے۔ اس لئے خلیفہ وقت اس وقت اپنے آپ کو معافی کا مجاز نہیں سمجھتا وہ لازماً اس کے شر سے باقی جماعت کو بچاتا ہے۔ تو جب یہ علاج موجود ہو تو پھر بدتمیزی اور بدزبانی کا جواز کہاں باقی رہ جاتا ہے۔ پھر اگر کوئی کرتا ہے یہ کارروائی نہ کرے اور اپنے ہاتھ میں اپنے بدلے لے لے تو آنحضرت ﷺ کا یہ حکم اس پر بھی لگے گا کہ جس نے ہم پر ہتھیار اٹھائے تو وہ مجھ سے نہیں ہے۔ نہ میں اس سے ہوں، نہ وہ مجھ سے ہے۔ تو بسا اوقات اسی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی نصیحت کی روشنی میں میں پھر لکھ دیا کرتا ہوں کہ یہ بات ہے تو اخراج تمہارا جماعت سے ہو یا نہ ہو لیکن میرا تم سے کوئی تعلق نہیں، تمہارا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔ پھر بعضوں کو اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے بعض ایسے ہیں جو بھٹکتے رہتے ہیں۔

تو رسول اکرم ﷺ کی نصائح بظاہر چھوٹے دائرے سے بھی تعلق رکھتی ہوں تو جب آپ ان پر غور کرتے ہیں تو ان کا دائرہ فیض پھیلتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ ان کا دائرہ اثر وسیع ہوتے ہوتے بہت وسعت اختیار کر جاتا ہے اور ہمارے اس زمانے کے مسائل ہی کو حل نہیں کرتیں جو وہ رسول اکرم ﷺ کی ظاہری جسمانی زندگی کا زمانہ بھی تھا بلکہ آپ کے تمام روحانی زندگی کے زمانے سے آپ ک نصائح تعلق رکھتی ہیں۔

اب غصے میں ایک انسان کسی دوسرے سے لڑ پڑتا ہے تو اس کے متعلق آنحضورؐ نے کیا فرمایا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ جب دو مسلمان تلوار لے کر ایک دوسرے سے لڑنے لگیں گے ان میں سے کوئی قتل ہو جائے گا تو قاتل و مقتول دونوں آگ میں جائیں گے۔ (بخاری کتاب الایمان حدیث نمبر: 30) اس کا مطلب ہے؟ اس بات کو سن کر صحابہؓ کو بھی تعجب ہوا اور ان میں سے کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ قاتل کو تو آگ میں جانا ہی چاہئے لیکن مقتول کیوں آگ میں جائے گا۔ آپؐ نے فرمایا وہ بھی تو اپنے مدمقابل کے قتل کا آرزومند تھا۔ اب یہ صاف ظاہر ہوا کہ یہ جو نصیحت ہے ہر محل پر نہیں آرہی، ایک خاص محل سے تعلق رکھتی ہے۔ جہاں دونوں لڑ پڑیں اور دونوں تلواریں نکال لیں۔ اس میں دونوں ذمہ دار ہیں اور اگر ایک پر کوئی حملہ آور ہوا ہے اور وہ اپنے دفاع کے لئے مجبور ہے اس کا اس حدیث سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ فرمایا دونوں طیش میں

آئے، دونوں لڑ پڑے پھر کون مرا یہ اتفاقی حادثہ ہے مگر گناہ میں دونوں برابر کے شریک تھے۔ مرنے والا بھی اپنے اس جرم کی پاداش میں سزا دیا جائے گا اور جس نے قتل کر دیا ہے اس کو تو سزا ملے گی ہی۔ پس لڑائی کے وقت یہ بات ضروری ہے کہ اگر تو آپ کلیۃً معصوم ہیں تو پھر آپ کی لڑائی کا گناہ خدا کے نزدیک آپ پر نہیں ہے۔

لیکن حضرت آدمؑ کے بیٹے نے ایک اور مثال قائم فرما دی جو خدا کو پسند آئی کہ قیامت تک کے لئے اس کا ذکر محفوظ فرما دیا۔ اسکے اپنے بھائی نے جب اسکے قتل کا ارادہ کیا تو اس نے کہا کہ میں دفاع نہیں کروں گا۔ یعنی دفاع کا ایسا حق نہیں ہے جو لازم ہو کہ ضرور استعمال کیا جائے اور اس نے بتا دیا کہ اس میرے دفاع نہ کرنے کے نتیجے میں لازماً خدا کا عذاب تجھ پر پڑے گا اور میں بالکل کلیۃً بری الذمہ ہو جاؤں گا یعنی اپنی موت قبول کر لی بہ نسبت اس کے خدا کے عذاب کا Risk لے یعنی یہ خطرہ مول لے کہ خدا کی ناراضگی کا مورد بنے۔ تو احتیاط اسی میں ہے کہ خدا کی ناراضگی کے ہر موقع سے انسان بچنے کی کوشش کرے، خواہ اپنا کچھ نقصان بھی ہو جائے۔ ایسے بھی گزرے ہیں جو نبی نہیں تھے لیکن جان کا نقصان برداشت کر لیا لیکن خدا کی ناراضگی کا خطرہ مول نہ لیا۔ تو اللہ تعالیٰ جماعت کو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی نصائح کو سمجھنے کی توفیق بخشے اور دلوں کو روشن کرنے کی توفیق بخشے۔ ایسے اندھے دلوں پر یہ بات نہ پڑے جن پر تالے پڑے ہوتے ہیں اور روشنی کی رمق اندر نہیں جاتی۔ ہمیں بہت ضرورت ہے اصلاح معاشرہ کی اور یہی ساری طاقت ہے یعنی دعاؤں کے بعد اصل طاقت ہمارے معاشرے کے حسن کی طاقت ہے یہ حسن ہمیں نصیب ہو جائے تو لازماً ہم نے دنیا پہ غالب آنا ہے کوئی دنیا کی طاقت روک نہیں سکتی۔ اللہ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔

خطبہ ثانیہ کے دوران حضور نے فرمایا:

نماز جمعہ اور اس کے بعد نماز عصر کے بعد آج کل چونکہ دن بہت چھوٹے ہو گئے ہیں اور ابھی عصر کا وقت ہو چکا ہے یعنی اس وقت سے آدھ گھنٹے پہلے سے عصر کا وقت شروع ہو چکا ہے۔ اس لئے چھوٹے دنوں میں ہم جمعہ کے ساتھ عصر کی نماز کو جمع کرنے پر مجبور ہیں۔ تو عصر کی نماز کے بعد ایک نماز جنازہ غائب ہوگی جو عزیزہ ساجدہ حمید کی نماز جنازہ غائب ہے۔ عام طور پر تو میں حاضر جنازوں کے ساتھ غائب جنازے پڑھا دیا کرتا ہوں لیکن اس ملک میں انہوں نے ایک ایسا عظیم کارنامہ

کیا ہے۔ جس کی وجہ سے میں چاہتا ہوں کہ نمایاں طور پر ان کی نماز جنازہ ادا کی جائے اور اس میں ساری دنیا بھی دعا میں شامل ہو جائے گی یعنی نماز جنازہ تو ہمارے ساتھ نہیں پڑھ سکتی مگر دعا میں شامل ہو جائے گی۔

میں جب انگلستان میں آیا ہوں تو شروع شروع میں ان دونوں میاں بیوی، ڈاکٹر حمید اور ساجدہ نے مجھے لکھا کہ ہم چاہتے ہیں کہ ہم واپس چلے جائیں گے کیونکہ یہاں پوری طرح دل بھی نہیں لگ رہا اور کام بھی ٹھیک سیٹ نہیں ہو رہے۔ تو ہمیں اجازت دیں کہ ہم واپس چلے جائیں ان کو میں نے کہا خاص طور پر ساجدہ کو مخاطب کر کے کہ تم کیا پیچھے چھوڑ کر جاؤ گی۔ کوئی تم نے جماعت نہیں بنائی، خالی ہاتھ تمہیں یہاں سے بھجوانے کو میرا دل نہیں چاہتا۔ اس لئے چلے جانا مگر تھوڑی دیر کے لئے ٹال دو اس فیصلے کو اور کوشش کرو، خدا تمہیں توفیق دے یہاں جماعت قائم ہو جائے۔ اس کے نتیجہ میں دونوں بہت سعید فطرت تھے، حمید تو ہیں بھی، انہوں نے فوری طور پر فیصلہ کیا کہ ہم جب تک یہاں جماعت قائم نہیں کریں گے ہم نہیں جائیں گے اور پھر جماعت قائم کرنے کی توفیق ملی تو پھر جانا کہاں جاتا تھا۔ اپنے روحانی بچے، ان کی روحانی ماں بنی ہوئی۔ ایسی تربیت ان کی اور اتنا پیار تھا کہ آپس میں کہ ان کے وصال کے بعد ہمارے جو ملنے والے وہاں گئے تھے جنازہ میں شامل ہونے کے لئے، وہ بتاتے ہیں کہ والہانہ محبت کا اظہار تھا ان انگریزوں کی طرف سے جنہوں نے ساجدہ کے فیض سے اسلام قبول کیا اور بہت اچھی تربیت اور انگلستان میں ایک ہی جماعت تھی ابھی تک شاید ایک ہی ہو جس میں انگریزوں کا غلبہ تھا اور غیر ملکی نسبتاً کم تھے اور بہت ہی اچھی تربیت یعنی جہاں انگریز اقدار کو جو جائز ہیں قربان کئے بغیر اسلامی اقدار کو اس طرح اپنا لیا گیا کہ بہترین امتزاج تھا اللہ کے فضل کے ساتھ۔ کوئی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ اسلام نے یہاں انگریزیت مٹا دی ہے۔ انگریزیت کی اچھی باتیں بہت سی ہیں وہ اسی طرح قائم تھیں بلکہ پہلے سے بھی زیادہ حسین ہو گئیں اور اسلام کی اچھی اقدار بھی سب اپنے اندر سمیٹ لیں۔ تو یہ وہ وجہ ہے جس کی وجہ سے میں چاہتا ہوں کہ اب جمعہ اور عصر کی نماز کے بعد ان کی نماز جنازہ پڑھائی جائے چونکہ انہوں نے بعد میں مجھے لکھ دیا کہ اب ہمارا جانے کو دل نہیں چاہتا اس لئے نعش کا سوال ہوا کہ کہاں دفنائی جائے تو میں نے ڈاکٹر حمید سے کہا کہ وہیں دفنائیں۔ اسی سرزمین کا اب حق ہے کہ ان کو اپنے پاس رکھے۔ تو انشاء اللہ عصر کی نماز کے معاً بعد عزیزہ ساجدہ کی نماز جنازہ ہوگی۔